# معاصر تانیثی نظم کے تین ابعاد ثمینہ راجہ، یاسمین حمید، حمیدہ شاہین

محمد عمران ازفر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

**ABSTRACT:**

Feminism is about all genders having equal rights and opportunities. It's about respecting diverse women's experiences, identities, knowledge, strength, and striving to empower all women to realise their full rights. Feminist literature is fiction or poetry which supports the feminist goals of defining, establishing, and defending equal political, economic, and social rights for women among man based socio political scenario.This article argues about the three prominent feminist poet's in Urdu poem. These three Samina Raja, Fehmida Riaz and Kishwar Naheed are the first line creator's in our Society. In this article selective text of these creator's identified in light of feminist theory.

بیسویں صدی, سائنسی انقلاب اور تہذیبی تموج کی صدی کہا جاتا ہے اپنی فطری اساس میں غیر متوازن تفکر اور مادی جذبات سے بھری ہوئی ہے جس کا سبب وہ زمانی حالات ہیں جو اس صدی کو در پیش رہے اور جس سے عالمی منظر نامہ اس صدی بھر میں بنرد آزمار ہا کہ یہ وہ زمانی وقفہ ہے جب عالمی سطح پر زندگی سے متعلق ہر شعبہ خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی، معاشرتی ہو یا انتظامی، تہذیبی ہو یا مذہبی، اخلاقی ہو یا معاشی، اپنے کل میں وسیع پیمانے پر الٹ پھیر اور تبدیلیوں سے دوچار دکھائی دیتا ہے، یہ تبدیلیاں ایسی گہری اور ناگزیر تھیں جن کے اثرات دنیا کے اکثر علاقوں، معاشروں اور ثقافتی ورثوں پر ثبت ہوئے اس بدلتے منظر نامے نے جہاں ایک طرف برسوں سے جاری سماجی تفاعل کی تنظیم کو متاثر کیا تو ساتھ ہی صدیوں سے اعتماد بنائے سیاسی سماجی، ثقافتی تفاعل کو کہیں سائنسی تو کہیں استدلالی نکات کی بنیاد پر درہم برہم کیا، اس نئی ترتیب پاتی دنیا کے اثرات انسانی زندگی اور اس کے نظام میں برپا ہونے والی پے در پے بے ترتیبی کی صورت سامنے آئے، جس کا سب سے بڑا مظہر دو عالمی جنگوں کی صورت نمایاں ہوا۔ انسانی فہم کی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر طرح کے جدل سے لامحدود نتائج سمیٹ سکتا ہے ایسا ہی کچھ گزشتہ ڈیڑھ صدی میں بھی ہوا کہ ایک طرف انسانی نفسیات پر سخت نکتہ چینی کی گئی تو دوسری طرف نئے طرز فکر اور علوم وفنون کے لیے نئی راہیں ہموار ہوئیں، اس نئے عالم میں انسان

نے نئے ثقافتی نظام وضع کیے، نئی سیاسی سماجی اکائیاں متعارف کرائیں، معاشیات کے نئے ماڈل منظر عام پر لائے گئے، خدا، انسان اور کائنات بارے نت نئی تاویلات پیش کی گئیں خواہ وہ تاویلات ان کے وجود کی تصدیق پر بنیاد کرتی ہوں یا ان کے رد کا منظر نامہ ہوں۔ اس زمانے میں ادب بھی کئی طرح کی فنی فکری ہیتی موضوعی تبدیلیوں کی زد میں رہا۔ داستان اور طویل قصے ناول اور افسانے کے ساتھ اظہار پذیر ہوئے تو رزمیہ شاعری اور قصائد کی جگہ نئی انسانی زندگی کے متوسط طبقے کے حالات نے لے لی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ہر طرف سائنس کے اثرات کے تحت رونما ہوتی تبدیلیوں پر توجہ کرنے کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں کئی نظری تحریکات بھی منظر عام پر آئیں جن کا جوہر ادب و شاعر میں انسان اور بالخصوص متوسط طبقے کی زندگی کے تمثال کو پیش کرنا ہے تاکہ تخلیق کار اپنی زمین کی سیاسی سماجی نمائندگی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو درپیش معاشرتی کیفیت کو بیان کرے اور شاعری محض راج دربار یا امرا کے توصیفی متون کا جوار بھاٹا نہ بن جائے۔ اس نئی ادبی تنظیم کو جدیدیت کا نام دیا گیا جو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل سے منظر عام پر آنے والی وہ فکری تحریکیں ہیں جنہوں نے کلاسیکی افکار اور سماجی شناخت کے قدیم اصولوں پر نئے طرز فکر، ادبی تخیلی جمالیات، سائنسی استدلال اور فلسفیانہ مباحث کو نئے پیرہن کے ساتھ انسانی شعور کا حصہ بنایا مجموعی طور پر دیکھا جائے تو جدیدیت وہ سائنسی طرز فکر ہے جو قدیم کلاسیکی طرز حیات پر نئی انفرادی زندگی کو ترجیح دیتی ہے اور اجتماع کی بجائے فرد کی نفسیات کی پیشکش کا بیڑا اٹھاتی ہے۔ اس تحریک کے متفرق کے فکری امتیازات میں سے ایک اہم فکری ڈسکورس تانیثیت کی تحریک ہے۔ یہ تحریک فرانسیسی مصنفہ سمون دی بوار کی تصنیف جنس ثانی(The second Sex) کے شائع ہونے پر، پوری شدت کے ساتھ عالمی سطح پر متعارف ہوئی، سمون دی بوار کے علاوہ ورجینیا وولف، کیتھرین مینسفیلڈ اور ایملی برونٹے ان نمائندہ مغربی مصنفین میں شامل ہیں جنہوں نے عورت کی سماجی حیثیت اور مسلسل تغیر پذیر دنیا میں اس کے کردار پر کھل کر بات کی۔ دی آکسفورڈ کمپینین کے مرتبین اس تحریک کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "Feminism is a range of socio-political movements and ideologies that aim to define and establish the political،economic، personal،and social equality of the sexes". (1)

اس تعریف کی روشنی میں تانیثیت کے معنی ان سیاسی سماجی نظریات کے ہیں جو سیاسی، معاشی، انفرادی اور معاشرتی سطح پر صنفی مساوات کی نمائندگی کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک انسان میں فرق کی بنیاد جنس یا صنف نہیں ہو سکتی، عورت اور مرد دو برابر اہمیت کی حامل معاشرتی اکائیاں ہیں جن کو صنف کی بنیاد پر زیادہ اہم یا کم اہم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جدیدیت کے اس فکریاتی جوہر نے عورت کے باب میں موجود قدیم تاریخی بیانیہ کو رد کیا، جس کی رو سے عورت اور مرد اپنے داخلی اور خارجی خصائص کی بنا پر دو آزاد وجود ضرور ہیں مگر ان میں مرد کو عورت پر سماجی، معاشرتی برتری حاصل ہے۔ اس مردانہ برتری کے سیاسی سماجی تصور کے رد کو تانیثی تحریک کا کلیدی نکتہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس ترکیب "تانیثیت" کو آکسفورڈ ایڈوانس لرنرز ڈکشنری میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

> "Feminism/femenizem/n[U] belief in the principal that women should have the same rights and opportunities as men". (2)

ایڈوانس لرنرز ڈکشنری کے الفاظ کے مطابق تانیثیت بطور تحریک یا نکتۂ نظر اس اصول/عقیدہ پر یقین رکھنے کا نام ہے جو معاشرتی زندگی میں عورت کے لیے مرد کی طرح کے حقوق اور مواقع فراہم کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کی رو سے مرد اور عورت کے مابین صنفی تضاد معاشرتی ترتیب کی خرابی کا سبب بنتا ہے۔ اس طرح یہ مکتب فکر، یہ ان دو ثقافتی اکائیوں کو ایک سطح پر لا کر، اُس صنفی عدم توازن کے خاتمے کا اعلان ہے جو ازل سے عورت اور مرد کے درمیان سماجی سطح پر موجود ہے کیونکہ انسانی معاشرہ آج بھی عورت اور مرد کو برابر نہیں گردانتا۔ گو جدید نظریات کے پیش کار ایک عمومی نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ مابعد جدیدیت کے مباحث ہر طرح کے فکریاتی مہابیانیہ کی نفی پر استوار ہے۔ مابعد جدیدیت کی تعریف ضمیر علی بدایونی ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

> "مابعد جدیدیت ایک ایسی اصطلاح ہے جو مختلف علوم کی شیرازہ بندی کرتی ہے علم الانسان سے لے کر فن تعمیر اور مصوری کی اور شاعری اور فکشن سے لے کر فلسفہ اور تنقید تک سب پر اس اصطلاح کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن ان تفصیلات کی کسرت میں وحدت کا نقش نہیں ابھرتا۔ یہ ایک کثیر المعانی ہے جو ایک مفہوم ایک تعبیر اور ایک فریم کی موجودگی کی نفی کرتی ہے"(3)

جدید نظریات کے اوج میں ابھرنے والی تانیثیت کی تحریک نے مابعد جدید زمانے میں بھی اپنی بقائی کی جنگ لڑی کہ یہ تحریک ایک فکری وحدت کی پیش کار ہے جس کی رو سے عورت اور مرد کے درمیان تفریق کسی فکری، عملی جوہر پر، کسی خوبی خامی کے سبب سے تو ممکن ہے مگر محض صنف کی بنیاد پر عورت کو مرد سے کمتر نہ کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ جدیدیت کے

زمانے سے منظر عام پر آنے والی تانیثیت کی تحریک آج بھی اہم ہے اور اپنے نظریات کی بنیاد پر حرکت میں ہے۔ کے بارے میں ماہرین کی رائے یہ ہے کہ یہ رائج مہابیانیہ کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ تانیثیت پسند ماہرین عورت مرد کے باہمی تعامل میں تاریخی مہابیانیہ کو رد کرتے ہیں اور نیا بیانیہ تشکیل دیتے ہیں جس کی رو سے عورت بھی مرد کی طرح سماجی عمل میں برابر کی حصہ دار ہے اور وہ بھی ایسی حصہ دار کہ جس کی غیر موجودگی سے کارِ حیات آگے بڑھنے کی خوبی سے عاری ہے اس جدید انگریزی ترکیب کو آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری میں اس طرح واضح کیا گیا ہے:

1. مرد عورت کی برابری کی بنیاد پر عورتوں کے حقوق کے لیے پیروی، تحریک آزادیٔ نسواں
2. طب، مرد میں زنانہ جسمانی خصوصیات کا نمودار ہونا۔

اس سے آگے بڑھتے ہوئے اسی اردو انگریزی لغت میں Feminist کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں "حقوقِ نسواں کا حامی"۔(4)

Feminist کے ترجمہ سے ایک پہلو تو واضح ہو گیا کہ تانیثیت پدر شاہی معاشرے میں عورت کے سماجی حقوق کے حدود و امتیاز کے تعین اور ان کے تحفظ کی تحریک ہے جس پر یقین کرنے والا کوئی بھی فرد، خواہ وہ عورت ہو یا مرد تانیثی کہلاتا ہے اس طرح یہ تحریک صنفی پسند ناپسند سے ماورا ہو جاتی ہے یعنی اگر کوئی عورت اس نکتہ نظر کی قائل نہیں ہے اور وہ عورت کو مرد سے کم تر سمجھتی ہے، اس کے نزدیک پدر شاہی نظام زندگی مکمل، درست اور حتمی ہے جس کی رو سے عورت اپنی خوبیوں میں مرد سے کم تر خیال کی جاتی ہے، وہ ناقص العقل ہے، عورت جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہو کر کبھی بھی دلیل کی تفہیم کے قابل نہیں ہو سکتی ہے وغیرہ تو وہ عورت تانیثی نہیں ہو گی اسی طرح اگر کوئی مرد عورت مرد کے درمیان صنفی تفریق کا داعی نہیں، وہ کوشش کرتا ہے کہ سماجی تفاعل میں مرد عورت کو مساوی حقوق حاصل ہوں تو یوں وہ مرد تانیثی کہلائے گا ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب تنقیدی اصطلاحات میں تانیثیت کے باب میں رقمطراز ہیں:

> "ایسی ادبی تحریک جس کا عورتوں کی سماجی، عمرانی، معاشی اور گھریلو زندگی سے تعلق ہے۔ اس ضمن میں ورجینیا وولف کی (A Room of one's Own "1929") اور فرانسیسی دانشور اور سارتر کی دوست سمون دی بوار کی (Second Sex"1949") کا بطور خاص نام لیا جاتا ہے ورجینیا وولف نے اس امر پر زور دیا کہ تخلیقی اظہار کے لیے عورت کے لیے مناسب ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ بحیثیت مجموعی نسوانیت کے علمبرداروں نے اس امر پر زور دیا مرد کیونکہ

عورت نہیں اس لیے وہ عورت کے جسم،اعصاب اور حسیات سے کبھی درست طور پر آگاہ نہیں ہو سکتا، لہذا وہ اپنے شعر و ادب کو خود ساختہ معیاروں پر جانچتا ہے"۔(5)

وہاب اشرفی اس انداز فکر کا تذکرہ کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"بہر طور نسوانیت کی تحریک کا کلیدی نکتہ یہ ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت کمتر سطح کی مخلوق نہیں ہے یوں تو یہ بات مغرب کے حوالے سے کہی جاتی ہے لیکن مشرق میں بھی اس سے کچھ مختلف صورت نہیں ہے عورتوں کے سلسلے میں ایک ایسا نظام نظروں میں ہوتا ہے جو ثقافت کے بہت سے پہلوؤں پر محیط ہے لیکن ایسی تمام تر باتوں میں پدری نظام کی بالادستی ایک ایسی تشکیل ہے جسے آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔لہذا ایسی situation سے عورتیں آزادی چاہتی ہیں"۔(6)

اُردو ادب پر نگاہ کی جائے تو سر سید احمد خان ان اولین مصنفین میں سے ہیں جو ہندوستان میں عورت کے قائم سماجی تصور پر ڈسکورس قائم کرتے ہیں چونکہ سر سید نے اپنے طور پر ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی اصلاح، معاشرتی تربیت اور شعوری ترقی کا بیڑہ اٹھایا تو اس ذیل میں سماجی بہتری کے لیے عورت اور اس کی تربیت ان کی کوششوں کا مرکز رہے۔ سر سید احمد خان نے "تہذیب الاخلاق" کی شکل میں ہندوستانی عورت کی تعلیم و تربیت کی خاص کوشش کی مگر اردو ادب میں تخلیق کردہ عورت کے جس مثالی پیکر کو شہرت عام ملی وہ سر سید احمد خان کے قلم سے نہیں بلکہ ڈپٹی نذیر احمد کے تخیل سے برآمد ہوتا ہے جسے ڈپٹی نذیر احمد "اصغری" کے نام سے موسوم کرتے ہیں دلچسپ امر یہ ہے کہ عورت کا یہ مثالی پیکر مرد کا تیار کیا ہوا ہے جس میں ہر وہ خوبی بیان کی گئی ہے جس کا تقاضا روزمرہ کی زندگی میں مرد عورت سے کرتا ہے یوں اس کردار میں مرد کی خواہشات،اس کے جذبات اور مرد کے پسندیدہ احساسات کی ترجمانی ملتی ہے جبکہ عورت کی ذہنی و جسمانی خوبی کا کوئی بیان نہیں کہ اصغری وہ کردار ہے جو عورت کے فکر کو دبا کر مرد کی ضرورت کے مطابق خود کو ڈھال لیتی ہے۔ یہ ڈھلا ڈھلایا مرد پسندیدہ کردار آئندہ نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ تک مردوں کے دماغ پر چھایا رہا حتیٰ کہ آج بھی اگر کسی مرد کو "اصغری" کی سی عورت میسر ہو جائے تو وہ پھولے نہیں سمائے گا کہ اصغری ایسا وجود ہے جس نے اپنے آپ کو ختم کر کے مرد کی ضرورت کا آئینہ بنا لیا ہے اس حوالے سے ترنم ریاض ایک مقام پر رقم طراز ہیں کہ:

"دلچسپ بات ہے کہ اس دور میں خواتین ادیبوں کی تحریروں کا ایجنڈا کسی خاتون نے نہیں، بلکہ ایک مرد نے تیار کیا اور وہ شخصیت ڈپٹی نذیر احمد ہیں، نذیر احمد نے مراۃ العروس میں اصغری کے کردار کے ذریعے ایک رول ماڈل تیار کیا اور یہ رول ماڈل اردو ادب میں خاصی دیر تک ڈولتا رہا، اصغری کا کردار، جو

دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم تاریخ، سائنس، جغرافیہ اور جنرل نالج سے مالامال تھا۔ مسلمان اردو داں طبقے میں ایک ماڈل کی حیثیت سے تقریباً آدھی صدی تک مقبول رہا"۔(7)

ڈپٹی نذیر احمد کی تحریروں میں عورت کا تصور اس نظریہ سے متصادم ہے جس کا داعی تانیثی افکار کا پیروکار ہوتا ہے کیونکہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں عورت مرد کی منشاء پر تخلیق کیا گیا کردار ہے یہ وہ مثالی کردار ہے جس کی ہر مرد کو تلاش ہوتی ہے جس میں شرافت، پارسائی، نیکی، وفاداری، خلوص، ایثار، تہذیب، امورِ خانہ داری، مرد کے لیے اپنی ذات کو وقف کر دینا سمیت وہ تمام مثالی اوصاف موجود ہیں جو مشرقی معاشرہ اور اسلامی تعلیمات کا جوہر ہیں اور جنہیں کم از کم ایک گوشت پوست کے جیتے جاگتے انسان میں یکجا کرنا بہر حال ایک مشکل امر ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کردار آج بھی ہندوستانی مرد کا پسندیدہ ہے۔

اردو شاعری کی روایت پر نگاہ دوڑائی جائی تو نسائی احساس کی پہلی بازگشت ریختی کی صورت سنائی دیتی ہے۔ جس میں شاعر عورت کے جذبے اور احساس کی تخلیقی پیشکش پر توجہ دیتا ہے۔ عام خیال ہے کہ ریختی کے موجد سعادت یار خان رنگین ہیں اس باب میں مصنف کشاف تنقیدی اصطلاحات ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے تفصیلی لکھا ہے ریختی میں عورت کی پیشکش کے حوالے سے حفیظ صدیقی دریائے لطافت کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:-

"ریختی کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کی زبان میں عورتوں کے جذبات ادا کئے جائیں چنانچہ ریختی کی بنیاد دو باتوں پر ہے: عورتوں کی زبان اور عورتوں کے جذبات"۔(8)

ریختی پر کسی نے ہوس بازی کی نمائش کا الزام لگایا تو کسی نے اسے سطحی جذبات کی ترجمانی قرار دیا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت کے طرز فکر اور اس کے عورت ہونے کا پہلا واضح اعلان ریختی کی صورت میں اردو دنیا میں سامنے آیا۔ ریختی لکھنے والے مرد شعرا نے اپنے تئیں عورت کے وجود کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس طرح اس شعری صنف نے واضح کیا کہ عورت ایک الگ اور مکمل وجود ہے جسے مرد کے ساتھ جوڑ کر دیکھنے سے اس کے جذبے احساس اور وجود کی مجموعی شناخت ممکن نہیں اپنی اساس میں تانیثی فکر ہے۔ اردو شاعری پر تانیثیت کے اثرات کو تلاش کیا جائے تو اردو نظم کی گذری پانچ دہائیوں میں ایسی خواتین شاعرات موجود ہیں جنہوں نے اپنی شناخت کو مرد کے ساتھ نہیں جوڑا، گو اردو شعری روایت میں روائتی انداز فکر بھی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے جس کی واضح مثال پروین شاکر ایسی توانا آواز ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ سارا شگفتہ، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، ثمینہ راجہ، یاسمین حمید، حمیدہ شاہین، ناہید قمر، عارفہ شہزاد، فاخرہ نورین، شمائلہ حسین سمیت کئی ایسی توانا آوازیں موجود ہیں جن کے تخلیقی متون میں عورت کا گوشت پوست کا، سوچتا ہوا، زندگی کے مختلف مراحل سی پیکار، جیتا جاگتا تمثال موجود ہے۔

ہمارا یہ مقالہ تین منتخب شاعرات ثمینہ راجہ، یاسمین حمید، حمیدہ شاہین کی نظم کے تجزیاتی مطالعے پر مشتمل ہے جس میں ان چنیدہ شاعرات کے نظمیہ متون سے ان کے افکار کی تفہیم اور سیاسی سماجی نظریات سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔اردو شاعری میں تانیثیت کے اثرات کے حوالے سے قاضی افضال حسین،ڈاکٹر ناصر عباس نیر سمیت دیگر ماہرین لکھ چکے ہیں۔ قاضی افضال حسین نے سارا شگفتہ کی نظم کا تانیثی تجزیہ کرتے ہوئے "میں سچی ننگی بھلی" کے عنوان سے مضمون لکھا۔نسوانی تنقید Feminist Criticism کے باب میں ڈاکٹر ناصر عباس نیر کا مضمون اس موضوع پر لکھنے والے طالب علموں کے لیے کلیدی اہمیت کا حامل ہے جو "جدید اور مابعد جدید تنقید" میں شامل ہے اس طرز کے دیگر متون جا بجا بکھرے ہوئے ہیں جن پر تفصیلی بحث ہمارے اس موضوع کے دائرے سے خارج ہے مگر ادب کے طالب علموں کے لیے ان سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

ثمینہ راجہ نئی اردو نظم کی موثر تانیثی آوازوں میں سے ایک ہے جن پر بہت کم لکھا گیا ہے یہ نظم فنی، فکری، ہیتی اور موضوعاتی حوالوں سے اپنے عہد کی نمائندہ نظم ہے۔ثمینہ راجہ کی نظم کا بنیادی جوہر رومان ہے۔ جنسی رومان، حسی رومان، سماجی رومان، عائلی رومان، مادری رومان سمیت محبت کے کتنے قرینے ہیں جو ثمینہ راجہ کی نظم کا خاصہ ہیں۔ان کے ہاں معاصر سماجی مزاج میں عورت کی عمومی زندگی، اس کو درپیش خانگی اور رومانی مسائل، اولاد کی صورت پاوں پڑی زنجیر، ناپسندیدہ مرد کی صحبت کے ذخم اور پسندیدہ مرد سے دوری کا احساس اپنی پوری جذباتی اور احساساتی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ثمینہ کی انسان دوستی کی ساری قدریں رومانی احساس سے جلا پاتی ہیں وہ باشعور، حساس اور گہرے جذبات میں ڈوبا ایسا کردار ہے جس کی تخلیقی کائنات غنائیت کے حسن، رومان کی کشش اور سماجی حقیقت کے تاثر سے رنگا رنگ ہے۔ایسا رنگا رنگ جہان جو انسان کا بنایا ہوا ہے، جس کی تکمیل کے لئے وہ ہر پل کوشاں ہے اور جس میں چہار جانب ایک طلسماتی کشش ہے، ایسی کشش جس کی طرف انسان کھچتا چلا جاتا ہے اور جس کی تلخ اور سماجی سچائی سے لبریز حقیقت سے آگاہ ہونے کے سبب سے اس سے گریز کے پہلو تلاش کرنے لگتا ہے۔

ثمینہ راجہ کی نظم "عشق" میں نسائیت کا داخلی احساس عشق کو کس رنگ سے دیکھتا اور بیان کرتا ہے اس کے تخلیقی نشانات سے بنتے تمثال ملاحظہ کریں:

"اک صدائے خواب
نادیدہ جہانوں سے گزر کر آ رہی ہے
دھوپ جیسی چاندنی
کالی زمینوں کے بدن کو چھو کر آ رہی ہے

فصل گل آنے سے پہلے کوئی خوشبو
سب زمانوں کے مقدس پیرہن مہکا رہی ہے
آگ جیسی کوئی حیرت ناک شئے
دل کے نہاں خانوں میں جلتی جا رہی ہے"

(دلِ لیلی)

راشد نے اپنی نظم میں آگ کو جس طرح چشم حیرت و قلب محبوبی سے دیکھا ہے اس کے اثرات ہمیں راشد کے بعد کی نسل پر دکھائی دیتے ہیں۔ راشد نے آگ کو آزادی، دل شادی، افزائش، زیبائش کا منبع بنا کر پیش کیا ہے جو مقدس ہے اور انسان کو تمام گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ ثمینہ راجہ کی نظم میں آگ کو بذات خود مرکز بنانے کی بجائے عشق کو مرکز بنا کر پیش کیا گیا ہے جس کے اظہار کی ایک شکل آگ ہے گویا عشق، افزائش کا زیبائش کا نام ہے اس نظم میں آگ حاسہ ءجنس کا بیان ہے جو عشق کے جمالیاتی پیرائے کو پر کشش بنا کر پیش کر رہا ہے۔ ثمینہ کی نظم میں گوشت پوست کی عورت ہے جو زندگی کے حقیقی دھارے سے جڑ کر اپنے وجود کی چادر پر عشق کے بیل بوٹے کاڑھتی ہے۔ وہی عشق کی بیل جو موسم بہار کی آمد سے پہلے ہی خوشبو بکھیرتی ہے اور جس کے احساس سے آگ ایسی حیرت انگیز شئے دل کے نہاں خانوں میں جلنے لگتی ہے۔ ثمینہ راجہ کا رومان نہ تو سارا شگفتہ کی مانند اذیت، تنہائی اور داخلی تذلیل کے احساس سے دوچار ہے اور نہ ہی فہمیدہ ریاض کی طرح جدید معاشرت کے آزار میں پستی، معاشی نظام کی سختیوں کو جھیلتی عورت کے پیچیدہ احساسات کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ ثمینہ راجہ کے ہاں ایک کسری انسان کی نمائندہ عورت ملتی ہے جو اپنی بشری کمزوری کو عشق کی طاقت سے دور کرنے کی سعی میں مگن ہے۔ ایک اور نظم "میری بھی اک زندگی ہے" میں معاشرتی تفاعل میں عورت کے کردار کو حقیقی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ نظم سے کچھ حصے ملاحظہ کریں:-

"مری اک زندگی ہے جو تمہاری زندگی سے مختلف ہے
کوئی انہونی تمنا جو تمہاری آرزو سے مختلف ہے
ایک ویرانی کی خوشبو
جو تمہارے شہر کے ہر رنگ و بو سے مختلف ہے"

(دلِ لیلی)

نظم سماجی زندگی میں عورت اور مرد کے درمیان موجود اختلاف کا تخلیقی بیانیہ ہے۔ نظم میں راوی سامع کو اپنی شخصیت کے خدوخال بیان کرتے ہوئے اپنی انفرادیت کا اظہار کرتی ہے۔ عورت اپنے سماجی کل میں جبریت کا دوسرا نام ہے کہ جس کی تمنا "انہونی" ہے اور یہ انہونی مرد کی تمنا سے مختلف ہے کہ عورت کو اس معاشرے نے نہ تو تمنا کا اختیار دیا ہے اور نہ ہی تمنا کے اظہار کی کوئی سہولت فراہم کی ہے۔ ثمینہ راجہ کی نظم کے متن میں ایک ایسا نسائی پیکر ملتا ہے جو اپنے عورت ہونے پر معذرت خواہانہ انداز اختیار نہیں کرتا نہ ہی ثمینہ کی نظم میں عورت کے ہاں کشور ناہید کی طرح مرد سے مقابلہ کرنے، اس کے برابر ہونے اور اسے شکست دینے کی خو پائی جاتی ہے نہ ہی یہ متن سارا شگفتہ کی مانند، پڑھنے والے کو مردانہ پیکر سے نفرت، دوری اور گھن محسوس کرنے پر مجبور کرتا ہے بلکہ ثمینہ راجہ کی نظم میں سانس لیتا عورت کا تمثال مکمل، باشعور، حساس، اطراف سے پیوست، اپنی روزمرہ ذمہ داریوں سے آگاہ، زندگی سے پیکار عورت کے تمثال کو سامنے لاتا ہے جو خود سے الجھنے، فشار خون بلند کرنے اور سماجی تفاعل کو کوسنے دینے کے بجائے زندگی کے مختلف مظاہر کا پوری ہمت سے مقابلہ کرتی ہے۔ اسی نظم کو مزید دیکھیں کہ کس طرح عورت اور مرد کے درمیان موجود عدم توازن کو کمال سادگی اور ہنرمندی سے تخلیق کیا گیا ہے۔

"ازل کی پہلی ساعت میں، مرے حصے کا سارا وقت ٹھہرا ہے
ابد کی سمت بہتی اک کہانی ہے مری
لیکن تمہاری داستاں مختلف ہے
جو اداسی چھا رہی ہے ایک لمحے کو تمہارے نرم دل پر
میرے دل کی مستقل آزردگی سے مختلف ہے
میری بھی اک زندگی ہے
جو تمہاری زندگی سے مختلف ہے"

(دل لیلیٰ)

ثمینہ راجہ کی نظم میں عورت اپنی انفرادیت کے جوہر سے آگاہ ہے وہ یہی دعویٰ اپنی تخلیقی کائنات میں دہرا رہی ہے کہ میں وہ جس کا سارا وقت ازل کی پہلی ساعت میں ٹھہر گیا ہے اور ابد کی سمت ایک کہانی مسلسل رواں ہے جو مجھے بیان کرتی ہے۔ میں مختلف ہوں، مرا لمحہ تخلیق مختلف ہے، مرا ہونا مختلف ہے اور یہی اختلاف مجھے منفرد بناتا ہے۔ نظم میں عورت اپنے وجود پر اپنی نسائی ساخت پر نازاں ہے اور یہ احساس جسمانی اونچ نیچ کی بجائے فطرت کی تقسیم کی بنیاد پر ہے کہ جس میں شاعرہ کہہ رہی ہے کہ میں اس لیے

مختلف ہوں کہ میری داستان تمھاری داستان سے مختلف ہے۔ان نظموں میں عورت اپنے عورت ہونے پر نازاں ہے اس کے برعکس حمیدہ شاہین کے ہاں عورت کی آواز کرب سے بھری ہوئی ہے۔اس کے اندر مرد سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں بلکہ وہ اپنے درد کی وُسعت پذیر دنیا میں ڈوبی ہوئی ہے اور اس نے اس درد اور بے انت تکلیف سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔یہاں تک نئی اردو نظم کی خواتین شاعرات اردو نظم کو کئی سطحوں پر متاثر کرتی ہوئی نظر آتی ہیں حمیدہ شاہین کی نظم ثمینہ راجہ کی نظم سے مختلف ہے کیونکہ ثمینہ کے ہاں زندگی ایک جاری جھرنے سا شفاف پانی کا ریلہ ہے جس میں عورت ایک مختلف داستان ہے جس کی اپنی مشکلات ہیں اپنی آسانیاں ہیں، اپنی تنگی ہے اپنی سہولت ہے، اس کے برعکس حمیدہ شاہین کے ہاں عورت کا پیکر اپنے اندر گہری ہوک لیے ہوئے ہے۔حمیدہ شاہین کی نظم سے کچھ سطریں ملاحظہ کریں:-

"مہکتے ریشمی بستر پہ ٹوٹا ہوا کانچ بکھرا ہے
ملائم نرم تکیے میں بسی ہے کھردری خوشبو
نشیلی نیند کے ٹکڑے ہیں کوڑے دان کی زینت
لکھی ہیں قرمزی پردوں پہ نامانوس تحریریں"

ریشمی بستر، دلہن، اس بستر سے جڑی جمالیات مشرقی عورت کا سنہرا خواب ہوا کرتا ہے جسے وہ اپنی عمر کے ایک خاص عہد سے ہر لمحہ جیتی ہے اور ان پلوں کا انتظار کرتی ہے جب وہ اس بستر پر دراز ہوگی، کچھ دل کہ کہے گی، کچھ دل کی سنے گی اور اسے اس لمحے میں سب سے قیمتی، سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہونے کے احساس سے مالا مال کیا جائے گا مگر اگر وہی بستر اس کے لیے دکھوں کا گھر بن جائے، خوشبو میں درد شامل ہو جائے اور رات کی نیند کوڑادان میں رکھی ہو تو کرب کی جو کھیتی عورت کو کاٹنی پڑتی ہے اس کے تمثال حمیدہ شاہین کی نظم میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم، اب میں سانس کیسے لوں
کہ میری پسلیوں کو کاٹتی ایک ٹیس اٹھتی ہے
بدن میں پھیل جاتی ہے
مری پسلیوں میں جو خنجر ترازو ہے، یہ کس کا ہے
مری ہمراز دیواروں میں سوئیاں کس نے گاڑی ہیں
یہ گہری گھور اندھیری رات کیسے صبح میں بدلوں

بتاتا کیوں نہیں کوئی

اگر میں نیند میں ہوں تو جگاتا کیوں نہیں کوئی"

(زندہ ہوں)

معاصر پاکستانی متوسط طبقے کی معاشی نظام سے جڑی، نوکری کرنے والی عورت اپنی روز مرہ زندگی کے ہر متحرک تمثال کے ساتھ حمیدہ شاہین کی نظم میں زندہ ہے۔ جس کے مہک میں ڈوبے ہوئے خوابوں سے بھرے ریشمی بستر پر اسی کی کلائیوں میں چھنکتی چوڑیوں کا کانچ بکھرا ہوا ہے گویا عورت کا جسم خود اسی کی کلائی میں موجود چوڑیوں سے زخمی کیا جاتا ہے وہی چوڑیاں جو اس کی زندگی کو گلزار کرنے کے لیے کلائی پر چڑھائی جاتی ہیں اس کے لیے آزار کا سبب بن جاتی ہیں ایسا بے انت آزار جو نیند تک چھین لیتا ہے، سانس روک لیتا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ پسلیوں کو کاٹتی ٹیس پورے وجود سے اٹھنے لگتی ہے جو درد کی گہری لہر کی صورت پورے بدن میں پھیل جاتی ہے۔ حمیدہ شاہین کی نظموں میں عورت ایک ایسا کردار ہے جس کا کوئی پرسان حال نہیں کہ یہ وہی نکتہ ہے جو تانثیت کے علمبردار کی فکر کا غماز ہے۔ ان کے نزدیک پدرشاہی معاشرے میں عورت کو درخوراعتنا نہیں سمجھا جاتا نہ ہی اس کی تکلیف کو توجہ کے لائق جانا جاتا ہے۔ مرد اس کے ساتھ صارف کا سا رشتہ قائم کرتا ہے، جو اپنی پراڈکٹ استعمال کرنے کے بعد اس کے لفافے پھینک دیتا ہے، معروضی بنیاد سے عاری یہ رشتے وقتی اور احساس سے عاری ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں عورت اپنے سماج، اپنے اطراف پھیلے لوگوں سے وہ طریقہ پوچھتی ہے۔ جس سے اس اندھیری بے سمت رات کو صبح میں بدلا جا سکتا ہو مگر کوئی نہیں جو اس کے ساتھ کھڑا ہو یا اس کے وجود سے اٹھتی ٹیسوں کے مداوا کرنے میں اپنا کردار ادا کرے۔ روز مرہ کی زندگی میں مرد کی طرف سے عورت کے وجود، احساس اور اس کے سماجی پیکر کے حوالے سے غفلت اور اس لاپروائی کے احساس سے عورت کے اندر جنم لیتی اداسی حمیدہ شاہین کی نظم کا داخلی جوہر ہے۔ نظم "اک بے دھیانی" میں دیکھیں:

"میں ٹھنڈے توے کی روٹی ہوں

مجھے بے دھیانی میں ڈالا گیا

مجھے بے دردی سے پلٹا گیا

مرے کتنے ٹکڑے اکھڑ گئے

میں ٹھیک سے سینکی جا نہ سکی

میں کسی چنگیر میں آ نہ سکی

میرا پسنا، گندھنا اور جلنا
بے کار گئی میں ہار گئی
اک بے دھیانی مجھے مار گئی
(زندہ ہوں)

وجود کی شناخت، مرد بنیاد معاشرے میں اپنی اہمیت بارے دلیل نئی نسائی نظم کی بنیادی اساس ہے جس میں نمائندہ شاعرات کے ہاں نظمیہ متون کے توسل سے تنہائی، بیگانہ پن، تشکیک، قنوطیت، احتجاج سمیت، عورت کے بطور انسانی وجود کے، اس کی اپنی پہچان کے تمثال جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ جن میں عورت ایک ایسی ٹھنڈے توے کی روٹی ہے جس کو دے دھیانی میں ڈالا گیا، اسے بے دردی کے ساتھ الٹا کیا گیا ہے، بے دردی سے اس الٹ پلٹ میں اس کی وجودی جمالیات بری طرح متاثر ہوئی ہیں، اس الٹ پلٹ میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور بطور عورت کے وہ ہار گئی ہے، ایک بے دھیانی نے اسے مار دیا ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان رشتے میں مرد جس طرح ایک عورت کے وجود کو پارہ پارہ کرتا ہے اور اسے تکلیف کے بے انت سمندروں میں غوطہ زن کرتا ہے، حمیدہ شاہین کی نظم "ایک بے دھیانی" اس کی عمدہ مثال ہے۔ ان نظموں میں ان بھیانک خوابوں کے سائے موجود ہیں جو پاکستانی عورت صدیوں کے سلسلہ وار سفر میں دیکھ رہی ہے ان شاعرات کی نظم ان تلخ حقائق سے مملو ہے جو ہمارے معاشرے کی بنیاد میں رچے بسے ہوئے ہیں یہ نظمیں سیاہ و سفید دنوں رویوں کی متفرق یادگاریں ہیں، جن میں کہیں تکلیف دہ ٹیس ہے، تو کہیں نئے طلوع ہوتے روشن دن کی امیدیں ہیں۔ زندگی اور اس سے جڑی طرح طرح کی خواہشوں کے دلپذیر مناظر ہیں، جن میں سارا شگفتہ اور کشور ناہید کی طرف سے تخلیق کی گئی مزاحمت کے بجائے زندگی سے تکلف آمیز رغبت کے اشارے ہیں۔ ثمینہ راجہ کی نظم فہمیدہ ریاض کی نظم سے آئندہ پڑاؤ ہے، جہاں عورت اپنے عورت ہونے پر احساس تفاخر سے بھری ہوئی ہے۔ حمیدہ شاہین کی نظم اپنے کل میں عورت کے وجودی احساس کے وہ پیکر بناتی ہے جو اس کے عورت پن میں حائل نہیں ہوتے۔ کشور ناہید کا غصہ اس کے شعری متون سے نسائیت کی چاشنی چھین لیتا ہے اس کے ہاں عورت مردانہ روپ اختیار کر کے مرد کے روبرو بلکہ مقابل آن کھڑی ہوتی ہے۔ کشور ناہید کی نظم میں پیش کردہ نسائی پیکر بغاوت کے اس مقام پر ہے جہاں وہ اپنی صنفی شناخت کھو دیتا ہے جبکہ ثمینہ راجہ کے ہاں عورت کا عورت پن ہی اس کی اصل خوبی ہے۔ حمیدہ شاہین کی نظم کا جوہر اس سماجی بے اعتنائی کا بیان ہے جو مرد عورت کے ساتھ برت کر اپنی اناء کو تسکین پہنچاتا ہے اور جس کی تانیثی تحریک پوری شدت سے تکذیب کرتی ہے۔ حمیدہ شاہین کی نظم کا خمیر مرد بنیاد معاشرے میں پنپتی اس تہذیب سے متاثرہ ہے جو عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس کی نگاہ میں عورت ایک

پراڈکٹ ہے، جو خریدی جاتی ہے، جو فروخت کی جاتی ہے، جس کو استعمال میں لایا جاتا ہے، جس کو پسند ناپسند کیا جاتا ہے اور جو مرد کے لیے اس کی جسمانی، سیاسی، سماجی، معاشی برتری اور طاقت کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے۔ عورت کی ساخت اور سماجی شناخت کے مختلف مظاہر کو جس خوبی سے حمیدہ شاہین نے بیان کیا ہے اس کی مثالیں اردو نظم کے تناظر میں خال خال ملتی ہیں۔ نظم "اک بے دھیانی میں" بھی شاعرہ نے عورت کے ساتھ ہونے والی سماجی ناانصافی کو موضوع بنایا ہے نظم عورت کے سماجی تصور پر تفکر کرتی ہے کہ عورت کو ٹھنڈے توے کی روٹی کی مانند ایک فرد کی بے دھیانی نے بد شکل اور کچا پکا چھوڑ دیا ہے یہی وہ فکریاتی آمیزہ ہے جو حمیدہ شاہین کے علاوہ یاسمین حمید کے ہاں زندگی کی تلخی کے ساتھ ملتا ہے۔

یاسمین حمید کی نظم عورت کے بارے سماجی آرکائی ٹائپ کو مسمار کرنے کی کوشش ہے۔ یاسمین حمید کے ہاں شعری متون ایک تہذیبی سلجھاو اور نفاست کا حامل ہے، اس متن میں زندگی کے متفرق تمثال اپنی متحرک حالتوں میں قاری/سامع کے سامنے گردش کرتے رہتے ہیں۔ متوسط طبقے کی عورت جو نوکری کرتی ہے، محبت کرتی ہے، زندگی گذارنے کے لیے ایک انسان دوست آدرش رکھتی ہے، یاسمین حمید کی نظم میں سانس لیتی ہوئی ملتی ہے۔ ایک نظم "ایلبم" میں دیکھیں کہ کس طرح شاعرہ نے متفرق شاعرانہ تمثال کی باہمی آمیزش سے زندگی میں موجود دائمی دکھ کی حقیقت کو بیان کیا ہے:-

سمندر/ڈوبتا سورج

سراسیمہ کنارہ

اشک پیمائی/سمندر

چاند کی کرنیں/کنارہ موج سے ملتا ہوا

بھرپور تنہائی/سمندر

صبحِ کاذب/شور لاحاصل کنارہ

سرد لاشہ/اور پسپائی

"آدھا دن اور آدھی رات"

جدید نظم کی خاصیت نئی زندگی کی پیچیدہ کیفیات اور تنہائی کے مارے فرد کی داخلی حسیات کو ہنر مندی کے ساتھ سامنے لانا ہے۔ ایسا تخلیقی اظہار جو اخباری سطح سے بہت اوپر ہونے کے باوجود اپنی لسانی ساخت میں قاری کے لیے تفہیم کے قاعدے میں عام فہم ہوتا ہے اور شاعری کا بنیادی جوہر ترسیل معنی کی خوبی سے مملو ہوتا ہے، جس کی طاقت سے وہ انسان کے انفرادی احساس کو

سماجی کل میں ڈھالتا ہے اور اپنے جذبے، احساس کو سماجی صداقت کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ اس عمل میں زبان شاعرانہ احساس کی ترسیل میں بنیادی آلہ ہے جو شاعر کے خیال، اس کے مزاج، نفسیاتی عوامل، معاصر تہذیبی حالات کے تخلیقی بیان میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ معاصر پاکستانی شاعرات کی نئی نظم میں مروج شعری زبان میں ادبی زبان کا شکوہ بھی ہے اور متوسط طبقے کی زندگی کی لطافت سے بھرے الفاظ بھی، یہ نظم اپنے سے پہلے کی شاعرات کی نظم میں موجود زبان کی کثافت سے بچی ہوئی ہے، ان شعری متون کی زبان اپنے موقف کی تائید یا تردید میں لسانی حوالے سے محاورے، روزمرہ اور استعارہ و تشبیہ کی تلخی سے مبرا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ نظم اپنے قاری کے لیے ایک طرف عورت کے فکریاتی ڈھانچے کی تشکیل کا سبب ہے تو دوسری طرف عورت کے احساس کی بازیافت کا کام بھی کرتی ہے، یہ نظم ادبی جوہر سے آشنا ہے اور ساتھ ہی اپنے قاری/سامع کے لیے خوش کن لفظی ذائقہ بھی ہیں جو تانیثی افکار کی بنیاد میں موجود اختلافی پہلوؤں کو بھی خاص ملاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے۔

یاسمین حمید کی نظم "کچھ نہیں" میں عورت کی فکری و احساساتی نفسیات کے متفرق تمثال دیکھیں:

کچھ نہیں
روزِ روشن میں کچھ بھی نہیں
شامِ ظلمت میں شاید کہیں روشنی کی کرن ہو تو ہو
کچھ نہیں
مشتِ ماضی کے ذروں میں بھی کچھ نہیں
خاکِ آئندہ شوریدہ سر آندھیوں میں
زمانے کی کروٹوں میں بہے
کون سے راستے کی خبر لے کے آئے، اگر لائے بھی
کچھ نہیں
آج کے حرف و معنی کے صحراؤں میں کچھ نہیں

رائیگانی کے احساس کو کلاسیکی سماجی تفاعل میں مرد کے شخصی تناظر کے ساتھ بیان کیا جاتا رہا ہے۔ جس کو جدید معاشرے میں عورت کی معاشرتی دانش نے غیر منطقی اور غیر مطلق ثابت کیا ہے۔ یاسمین حمید کی نظم "کچھ نہیں" میں شاعرہ اپنے عہد میں واقع حرکت کے تصور کو جامد اور لایعنی قرار دیتی ہیں جس کی افادیت کچھ بھی نہیں ہے۔ حرکت اپنی تصوراتی تفہیم میں لامتناہی مگر

قابل تقسیم جوہر ہے جس میں انفرادی واجتماعی شعور اور کوشش کے اتصال سے اشیاء واجزاء کے درمیان ربط قائم ہوتا ہے مگر اگر یہی حرکت لامتناہی ہونے کے باوجود اپنی صفت کے تعامل پر قابل شناخت نہ ہو تو گویا لایعنی اور بے معنی ہے۔ لایعنیت اور بے معنویت کے اس جوہر کو یاسمین حمید نے اپنی نظم میں شاعرانہ خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ثمینہ راجہ، حمیدہ شاہین، یاسمین حمید اردو نظم کے ان فکری دھاروں کا تخلیقی جوہر ہیں جو سارا شگفتہ، فہمیدہ ریاض اور کشور ناہید کے برعکس زندگی کی جمع تفریق مرد مزاحمتی نفسیات پر کرنے کی بجائے اس کی حقیقی روح کو فلسفیانہ اور معاشرتی تفاعل کی روشنی میں ترتیب دیتی ہیں۔ یہ شاعرات اور ان کا تخلیقی متن تانیثیت کا وہ چہرہ ہے جو مشرقی معاشروں کی ساخت ہے اور اپنے سماجی کل کی شکست کی بجائے اس کی تنظیم نو کی اہمیت کی نشاندہی کرتا اور اس سلسلے میں اپنے حصے کا تخلیقی کشٹ اٹھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے پیش کردہ تخلیقی متون کا تہذیبی ڈھانچہ اپنے سماجی تعاملات میں مغربی تہذیبی اقدار سے ہم آہنگ نہیں یہی وجہ ہے کہ مشرقی سماج میں عورت کی آزادی کا تصور مغربی معاشرے میں عورت کی خودمختاری کے التباس سے قدرے مختلف ہے۔ سارا شگفتہ اپنے نسائی تمثال کو مرد سے مزاحمتی تفاعل میں مسخ کرتی ہے، تو فہمیدہ ریاض کے ہاں عورت اپنے کل میں ایک منقسم وجود ہے، جس کی احساساتی اور فکری جمالیات پر توجہ مرکوز کرنے کے لیے مردانہ روپ کے پاس کوئی جواز موجود نہیں یہی وہ صورت حال ہے جس میں کشور خود نیم مردانہ شکل میں ڈھل جاتی ہے اور پدرشاہی نظام میں مرد کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس کی زبان، اس کا انداز گفتگو، اس کا تخلیقی سبھاؤ سب اپنے اندر مرد تقابل احساس لیے ہوئے ہے۔

بیسویں صدی کی اردو نظم کے نمائندہ کردار مغربی تانیثیت کے فکری امتیازات کے اسیر ہیں اور اس کے متفرق پاروں کا مشرقی معاشرے پر اطلاق چاہتے ہیں، مگر بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے بعد کا تخلیقی منظرنامہ، پہلے سے بہت مختلف اچھا خاصا نئے خطوط پر استوار ہے۔ اس تخلیقی متن میں عورت اپنی انفرادیت کا اظہار، خود کو مرد کے مقابل لانے کی بجائے اپنے نسائی پیکر میں نہاں صفات کی تنظیم نو سے کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چار عشروں کی نسائی نظم میں زندگی اور اس کے متفرق تمثال اپنی اجتماعی حالت میں ثقافتی بیانیہ ہیں جن کی تشکیل میں یہ شاعرات سماج میں جاری طاقت کے تضادات کو نمایاں کرتی ہیں۔ یہ اپنے ذہن، فکر، احساس، جذبے، خیال سمیت روح اور بدن کی مختلف پرتوں کی تفہیم کے لیے تخلیقی صلاحیت کو بروئے کار لاتی ہیں۔ یہ تخلیقی دست خط ادب اور سماجی تاریخ کے متعینہ تصورات میں بدلاؤ کا سب سے بڑا اور طاقت ور وسیلہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان نمائندہ شاعرات کی نظم ایک طرف عورت کے احساس وافکار کی ترجمان ہے تو دوسری طرف اپنے زمانے کے سماجی کوائف اور ثقافتی احوال سے لبریز دکھائی دیتی ہے، جن میں یہ شاعرات عورت کی روح کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی شخصیت کے مختلف مظاہر کو دریافت

کرتی ہیں۔اس عمل میں یہ متن نہ تو کوئی اصلاحی مواد پر مبنی ہے،نہ ہی اس میں کسی قسم کے پند و نصائح پائے جاتے ہیں اور نہ ہی ان نظموں میں تانیثیت کے مختلف عوامل کو مقرر و مصلح کے طور پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ شعری متون اپنی فکری ترکیب،اپنی شاعرانہ وضع اور مشینری کے باب میں معاصر اردو نظم سے ہٹ کر ہیں اور اپنے کل میں زندگی کا شعور دیتی ہیں جو انہیں ارفع تخلیقی متن کے باب میں لے آتا ہے۔یہ معاشرے میں عورت کے تصور کے حوالے سے نامانوس تصورات کو مانوس بناتی ہیں،تو مانوس تصورات کے ساتھ اجنبیت کا احساس جوڑتی ہیں۔اس طرح یہ شعری متون وقت کے دھارے میں عورت اور مرد کے کردار کو تسلسل کی صورت یکجا کر کے با معنی بناتی ہیں۔یہ عورت کی روح کا لباس ہیں تو اس کے جسم کی وہ ساخت ہیں جو حقیقی زندگی سے حاصل کردہ ہے۔نئی اردو نظم کی بیسویں صدی کی تاریخ ان نمائندہ شاعرات کے متون پر گہری نگاہ کیے بغیر مکمل نہیں کی جاسکتی۔

## حوالہ جات


1. Mendus,Susan (2005) [1995]. "Feminism". In Honderich، Ted (ed.). The Oxford Companion to Philosophy (2nd ed.). Oxford University Press. pp. 291–294.ISBN 978-0-19-926479-7
2. Jonathan Crowther, 1997, fifth edition, Oxford Advance Learner's dictionary, Oxford university press, 1997, pp428, ISBN 019 431 423 5

3۔شان الحق حقی،مرتب و مترجم،اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری،پہلی اشاعت2003ء،کراچی،ص574

4۔ ضمیر علی بدایونی،جدیدیت اور مابعد جدیدیت،اختر مطبوعات،کراچی،1995،ص344

5۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،تنقیدی اصطلاحات،سنگ میل پبلی کیشنز،2011،ص72

6۔وہاب اشرفی،مابعد جدیدیت،مضمرات و ممکنات،پورب اکادمی،اسلام آباد،2007،ص132

7۔خواتین اردو ادب میں تانیثی رحجان،مشمولہ:شاعر،ممبئی شمارہ،11،2003،ص،34

8۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی،ادبی اصطلاحات کا تعارف،اُسلوب،لاہور،2015ء،ص269